R. No 215 01 | Regd. No.A 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Regd. No.A 922
Telephone No 29
Telegrams "ANGUMAN"

قیمت
سالانہ تین روپے
ایک پرچہ
دس نئے پیسے
تاریخ اشاعت
۱۵ اگست ۶۱ء

جلد ۲۰- شمارہ ۳۱ | ایڈیٹر- آل احمد سرور | علی گڑھ - ۱۵ اگست ۱۹۶۱ء

مشتاق حسین، مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

تاریخ فیروز شاہی اور سرسید کا دیباچہ

ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی خواہش پر سرسید نے بڑی دیدہ ریزی اور کاوش سے جیسا کہ خود سرسید نے لکھا ہے، "اس کے مقابلے اور صحت میں مجھ کو بڑی دقت اٹھانی پڑی" تاریخ فیروز شاہی کو پانچ مختلف نسخوں (نسخوں کی تفصیل اصل دیباچہ میں درج ہے) سے مقابلہ اور تصحیح کے بعد مرتب کیا۔ ترتیب اور تصحیح کے بعد ۱۸۶۲ء میں سوسائٹی نے اسے شائع کیا مگر اس میں سرسید کا دیباچہ شامل نہیں تھا۔ البتہ دیباچہ سے متعلق ٹائٹل پیج کے بعد والے صفحہ پر انگریزی کی یہ عبارت درج ہے:-

"MEMO

The preface to this work in cluding a brief sketch of the Author's life, and some notice of his history will appear in a separate form."

انگریزی کی مذکورہ بالا عبارت سے صرف یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کتاب کا دیباچہ علیحدہ شکل میں شائع ہوگا۔ لیکن امکان یہ بھی تو ہے کہ سرسید نے کوئی دیباچہ لکھا ہی نہ ہو اور اسی وجہ سے نہ تو وہ کتاب کے ساتھ شائع ہو سکا اور نہ علیحدہ۔ لیکن ایسے شواہد موجود ہیں جن کی روشنی میں یہ دونوں امکانات کلیتہً غلط ثابت ہوتے ہیں۔ حالی نے حیات جاوید میں دیباچہ کا ذکر کیا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو اخبار سائنٹفک سوسائٹی مورخہ ۲۴ اگست ۱۸۶۲ء (ص ۳۴۷) کے ذیل کا یہ نوٹ:-

"سید احمد خاں صاحب سائنٹفک سوسائٹی کے سکرٹری نے ۱۸۶۲ء میں تاریخ فیروز شاہی ضیاء برنی کا ایک دیباچہ لکھا تھا جو کہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال اس کتاب کو انھیں کی تصحیح سے چھاپتی تھی۔ جو کہ وہ دیباچہ ایک نہایت عمدہ مخزن ہے ایشیا کی تاریخوں کے حال کا اس لئے ہم دیباچہ کو واسطے فائدہ اپنے اخبار کے دیکھنے والوں کے چھاپتے ہیں۔"

اخبار کا یہ مبہم نوٹ جو بظاہر منشی یار محمد خاں کا معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اس زمانے میں یہی بزرگ سائنٹفک سوسائٹی کے اردو مترجم اور اخبار کے ایڈیٹر بھی تھے، کئی اعتبار سے قابل رد و قدح ہے۔ اس نوٹ سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ دیباچہ کتاب کے ساتھ چھپا یا نہیں۔ حالانکہ ابھی آپ اوپر انگریزی کی عبارت پڑھ آئے ہیں کہ دیباچہ کتاب کے ساتھ نہیں شائع ہو سکا۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب وہ دیباچہ ایشیا کی تاریخ کے سلسلے میں معلومات کا عمدہ ذخیرہ تھا تو کتاب کے ساتھ کیوں نہیں شائع ہوا۔

بہر حال یہ بات تو ثابت ہو ہی گئی کہ سرسید نے تاریخ فیروز شاہی برنی کا دیباچہ لکھا تھا جو کسی مجبوری کی بنا پر کتاب میں شامل نہ ہو سکا۔ دوسرے یہ بھی متعین ہو گیا کہ کتاب کے چھپنے کے پانچویں سال وہ دیباچہ اخبار سائنٹفک سوسائٹی میں شائع ہوا۔

سرسید نے اپنے اس دیباچہ میں مسلمان بادشاہوں کی فتوحات ہند اور غیر ہند کے سلسلے میں تاریخ فیروز شاہی برنی، تاریخ فیروز شاہی شمس سراج عفیف اور فتوحات فیروز شاہی کے علاوہ پانچ اور کتابوں کے نام دئے ہیں اور سب سے پہلی کتاب تاریخ یمینی بتائی ہے اس کے بعد تاریخ بیہقی، تاج المآثر، جامع الحکایات اور طبقات ناصری لیکن خود برنی نے امام ثعلبی، امام مقدسی، امام دینوری، امام ابن اعثم اور امام طبری کے مورخانہ مقام و مرتبہ کے ذکر کے بعد عجمی تاریخ نویسوں کے

سلسلے میں لکھا ہے :-

"و مورخان و خبار مجم ہم از اکابر و سادات عہد و عصر خویش بودند چنانکہ فردوسی و بیہقی و صاحب تاریخ آئین و مؤلف تاریخ گسروی و مولف بحر تاریخ یمینی .... و مورخان کہ در ملک دہلی نیز از معتبران عہد و صدور عہد بودند چنانچہ خواجہ صدر نظامی مصنف تاج المآثر و مولانا صدر الدین عوفی مولف جامع الحکایات و قاضی صدر جہان منہاج جرجانی مولف طبقات ناصری و کبیر الدین پسر تاج الدین عراقی کہ در عہد علائی فتحنامہای سلطان علاء الدین نوشتہ است و ساحری ہا کردہ"

دوسری بات جو دیباچہ میں کہی گئی ہے کہ پیشہ ور مورخوں کا عام دستور ہے کہ وہ سارا زور قلم بادشاہوں کی تعریف و توصیف پر صرف کرتے ہیں۔ ان کی کتابیں بادشاہوں کے نقائص اور سلطنت کی خامیوں سے کلیتہً خالی ہوتی ہیں جو تاریخ کا بہت بڑا عیب ہے۔ لیکن برنی اس سے نسبتہً مستثنیٰ ہے۔ نسبتہً اس لئے کہ فیروز شاہ کے حالات میں خود برنی کا قلم بھی پوری آزادی کے ساتھ رواں دواں نہیں ملتا۔ اب تاریخ نویس کے کیا شرائط ہیں خود برنی کی رائے ملاحظہ کیجئے :-

"بر مورخ اندر دینداری واجب و لازم است کہ فضائل و خیرات و عدل و احسان بادشاہی و بزرگی بنویسد با کہ مقابح و رذائل او را مستور ندارد و طریقہ مداہنت در نوشتن تاریخ معمول نکند و اگر مصلحت بیند بصریح و الا برمز و اشارت و کنایت زیرکان و فہیمان را بیاگاہاند"

غالباً تاریخ فیروز شاہی کی یہی خوبی تھی جس نے انتہائی نازک و نامساعد حالات اور وقت کے باوجود سر سید سے اپنی ترتیب و تصحیح کا کام مکمل کرا لیا اور غالب کی طرح سر سید کو "فرصت کشاکش غم پنہاں سے گر ملے" کہنے کی ضرورت نہ پیش آئی۔ حالانکہ اگر ایک طرف مابعد غدر کے بھیانک اور تباہ کن اثرات سر سید کے دل و دماغ پر کچوکے لگا رہے تھے، سر سید ہمیشہ کے لئے اپنے وطن کو خیرباد کہنے کی سوچ رہے تھے تو دوسری طرف ملازمت (صدر الصدوری) کے فرائض، باغیوں کی ضبط شدہ جائداد سے متعلق تحقیقاتی کمیشن کی رکنیت، ضلع مراد آباد کے قحط کا انتظام، محتاج خانہ کی دیکھ بھال جہاں چودہ ہزار محتاجوں کو ایک گھنٹہ میں صرف سر سید کے حسن انتظام کی بنا پر کھانا تقسیم ہو جاتا تھا، صبح و شام شفا خانہ جانا اور ایک ایک مریض کو دیکھنا اور اس کا حال پوچھنا، مختصر یہ کہ :-

"رگ رگ میں نیش جاں ہے کہئے کہاں کہاں کی"

دیباچہ کے آخر میں سر سید نے ضیاء الدین برنی کے ذاتی حالات بہت ہی مختصر طور پر دئے ہیں جو تاریخ فیروز شاہی اور اخبار الاخیار سے ماخوذ ہیں۔ معلوم نہیں برنی کے حالات کے سلسلے میں یہ دونوں کتابیں سیر الاولیا اور حسرت نامہ (مصنفہ برنی) جن کا ذکر خود شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے بھی کیا ہے سر سید کی نظر سے گذری تھیں یا نہیں۔ قیاس کہتا ہے کہ نہیں گذریں ورنہ ذاتی حالات میں سر سید اختصار سے کام نہ لیتے۔ اب سر سید کا اصل دیباچہ من و عن ملاحظہ فرمائیے۔

دیباچہ (سر سید)

جبکہ سلطان بادشاہوں کی فتوحات ہندوستان میں شروع ہوئیں تو مورخین نے ان کا حال کتب تواریخ میں لکھنا شروع کیا۔ سب سے پہلے تاریخ یمینی تصنیف ابو النصر عتبی مازنی سنہ ۴۱۲ھ مطابق ۱۰۲۱ء میں بعہد سلطان محمود عربی زبان میں لکھی گئی۔ اس تاریخ میں ابتدائے ظہور دولت غزنویہ اور عروج امیر ناصر الدین سبکتگین سے سنہ مذکور تک جو جو فتوحات اس کو اور اس کے بیٹے سلطان محمود کو ہندوستان اور اور ملکوں میں ہوئیں وہ سب مندرج ہیں۔

بعد اس کے خواجہ ابو الفضل بیہقی نے سنہ ۴۵۶ھ ہجری مطابق سنہ ۱۰۶۰ء میں بعہد سلطان ابراہیم غزنوی بن سلطان مسعود بن سلطان محمود فارسی زبان میں کتاب تاریخ لکھی اور اس میں ابتدائے جلوس سلطان محمود سے تمام فتوحات کا حال جو ہندوستان اور اور ملکوں میں ہوئیں، لکھا ہے۔

بعد اس کے جبکہ سلطنت غزنویہ آخر ہوئی اور دولت غوریہ نے ترقی پکڑی اور سلطان شہاب الدین غوری نے سنہ ۵۸۸ھ ہجری مطابق سنہ ۱۱۹۱ء کے تخت گاہ ہندوستان یعنی دار الخلافہ دہلی کو فتح کیا تو اس کے عہد میں خواجہ صدر الدین محمد بن حسن نظامی سنہ ۶۰۲ھ مطابق سنہ ۱۲۰۲ء کے کتاب تاج المآثر لکھنی شروع کی اور سنہ ۶۱۳ ہجری مطابق سنہ ۱۲۱۶ء تک کا یعنی اواسط عہد سلطان شمس الدین یلتمش تک کا اس میں حال لکھا ہے اور اس کے ضمیمہ میں حال فتح اوچہ و ملتان اور آنے خلعت و فرمان خلیفہ بغداد امام مستنصر باللہ عباسی کا سلطان شمس الدین یلتمش کو زیادہ کیا ہے۔

اس کے بعد مولانا صدر الدین عوفی نے کتاب جامع الحکایات بنام نظام الملک جنیدی وزیر سلطان شمس الدین یلتمش لکھی اور اس میں بھی کچھ کچھ حال فتوحات یلتمش مندرج ہے۔

اس کے بعد سنہ ۶۵۸ ہجری مطابق سنہ ۱۲۶۰ء میں بعہد سلطان ناصر الدین محمود بن سلطان شمس الدین یلتمش قاضی منہاج السراج الجرجانی نے طبقات ناصری جو نہایت عمدہ و کمیاب کتاب ہے لکھی اور اس میں ابتدائے ظہور سلطنت غوریہ سے اپنے زمانے تک ان کی تمام فتوحات اور ان کے شجرے اور انساب بہت درستی اور شائستگی سے لکھی ہیں۔

اس کے بعد سنہ ۷۵۸ ہجری مطابق سنہ ۱۳۵۶ء کے بعہد سلطان فیروز شاہ مولانا ضیاء الدین برنی نے یہ کتاب لکھی جس کا نام تاریخ فیروز شاہی ضیاء برنی ہے۔ اس کتاب میں سلطان ناصر الدین محمود کے بعد سے جو بادشاہ ہوئے ہیں اور جو واقعات کہ سال ششم جلوس فیروز شاہ تک گذرے ہیں مندرج ہیں۔ حقیقت میں یہ کتاب تتمہ ہے طبقات ناصری کا اور ان دونوں کتابوں کو ملا کر ایک کتاب سمجھنا چاہئے۔ اس کتاب میں آٹھ بادشاہوں کا حال ہے جن کے نام حاشیہ پر ثبت ہیں۔ (باقی صفحہ ۱۱ پر)

اداریہ

یومِ آزادی

جب کبھی کوئی تیوہار آتا ہے تو لوگ روزمرہ کے معمول کو چھوڑ کر خوشی مناتے ہیں، صاف ستھرے کپڑے پہنتے ہیں، اُس دن کے فرائض ادا کرتے ہیں، دوستوں اور عزیزوں سے ملتے ہیں یا کسی تفریحی پروگرام میں شریک ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ دن سال میں ایک بار آتا ہے اس لئے اس کی الگ اہمیت ہوتی ہے اور اس اہمیت کو کسی حال میں نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔

ہماری قومی زندگی میں یومِ آزادی کی جو اہمیت ہے وہ کسی دوسرے دن کی نہیں، ۲۶ جنوری کی اہمیت بھی اس کے بعد ہے۔ آزادی نہ ہوتی تو جمہوریت کا سوال کیسے پیدا ہوتا۔ اس لئے یہ دن خوشی منانے کا ہے، سال بھر کے کاموں کا جائزہ لینے کا ہے اور ایک نئے عزم کے ساتھ آگے بڑھنے کا ہے۔ آج کے دن سارے گلے شکوے محو ہو جانے چاہئیں۔ یہ دن اپنی محرومیوں اور نارسائیوں کی داستان دُہرانے کا نہیں، یہ شوق کے کاروبار سجانے کا دن ہے، یہ خوابوں کے دیئے جلانے کا دن ہے، یہ تصور کے تاج محل بنانے کا دن ہے، یہ ہمرہانِ سست گام سے آزردہ ہونے کا نہیں، اُن کو ساتھ لینے کا دن ہے۔ یہ منزلِ مقصود کے لئے ایک تازہ عزم کا دن ہے۔ یہ دن بڑا مبارک ہے اور اسے ایسے ہی مبارک کاموں میں صرف کرنا چاہئے۔

مذہبی تیوہاروں کی اپیل دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے لئے نہیں، عوامی میلوں میں خواص شریک ہونا پسند نہیں کرتے۔ علاقائی میلوں کی اپیل بھی محدود ہے۔ لیکن جشنِ آزادی میں اور جشنِ جمہوریت میں سب شریک ہو سکتے ہیں۔ یہ سب کے لئے خوشی کا دن ہے۔ اسے مناسب طریقے سے سب کو منانا چاہئے۔

آج کے دن ہمیں اپنا جائزہ بھی لینا چاہئے۔ ہم دوسروں کو برابر نصیحت کرتے رہتے ہیں، اپنے اوپر کم نظر ڈالتے ہیں، مثلاً قومی وحدت کے لئے لیڈروں یا حکومت سے اپیل کافی نہیں، ہمیں اپنے عمل سے یہ کوشش کرنا چاہئے کہ ہم عام زندگی کے کاروبار میں شمال یا جنوب کا فرق نہ کریں۔ مذہب کے اختلاف کو نظرانداز کریں، زبان کے فرق کو اہمیت نہ دیں، علاقے کی پاسداری نہ کریں، بلکہ اپنی قوم کے تمام افراد کو برابر سمجھیں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو دوسرے بھی یہی کرنے کی طرف مائل ہوں گے۔ اگر ہم صرف مذہب، یا زبان یا علاقے کی بات کریں گے تو دوسروں کو اس سے تقویت ملے گی۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ ہم مذہب، زبان یا علاقے کو بھول جائیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے اور کیوں ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان کے ساتھ ہر طرح انصاف کرتے ہوئے، صرف ان اختلافات کی بنیاد پر قومی وحدت کے تصور کو کمزور نہ کریں بلکہ مشترک قدروں کو دھیان میں رکھیں اور ان کی بنا پر مل کر کام کرنے کی عادت ڈالیں۔ یہ کام مشکل ہے مگر کرنے کا ہے اور کیا جا سکتا ہے۔

ہندوستان کو آزاد ہوئے چودہ سال ہو گئے۔ اس عرصے میں ہمارے ملک نے خاصی ترقی کی ہے۔ آبادکاری کے سلسلے میں، اقتصادی ترقی کے لحاظ سے، معیارِ زندگی کی رو سے، صنعتی پروگرام کی روشنی میں، غذائی صورتِ حال کو ملحوظ رکھتے ہوئے، خواندگی کی رفتار کے لحاظ سے، ملک میں جمہوری اداروں کے فروغ کو دیکھتے ہوئے، عام امن و امان، آزادیٔ تحریر و تقریر اور سیاسی زندگی کی روشنی میں ہمارا کارنامہ ایسا نہیں کہ ہم اسے نظرانداز کر دیں۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ ہماری ترقی کی رفتار سست رہی ہے اور ابھی ملک مل کر سوچنے اور مل کر کام کرنے اور حالات پر پوری طرح قابو پانے کے قابل نہیں ہوا ہے۔ اب تیسرے منصوبے کی منزل شروع ہو گئی ہے، اس کا بھی نقشہ شاندار ہے۔ ہمیں اس شاندار نقشے کی خاطر جدوجہد کرنا ہے اور یہ مل کر ہی ہو سکتی ہے۔

اگر یہ تصور عام ہو گا تو لسانی اقلیتوں کو اُن کا حق ملے گا، اکثریت ہر چیز میں جبر کی خوگر نہ ہو گی، قومی زندگی کے ہر پہلو پر فخر کرنا آئیگا، اپنی پوری تاریخ یاد رہے گی، فصل کے بجائے وصل کی بات ہو گی۔ ذات پات کی بنا پر انتخاب نہ ہوں گے، کسی زبان کو دبانے کی کوشش نہ ہو گی، بلکہ ہر زبان کی ترقی کو سب کی ترقی سمجھا جائے گا۔

کیا ہمارے ملک کی عظیم تاریخ، کیا اس کا شاندار نصب العین، کیا اس کی زبردست اخلاقی اور انسانی طاقت ایسی نہیں کہ ہم اپنے خوابوں کو عملی جامہ پہنا سکیں اور انسانیت کی ترقی میں خاطر خواہ حصہ لے سکیں۔ فضائی سیر بڑی چیز ہے، مگر پہلے زمین پر سیدھے سبھاؤ چلنا ضروری ہے، اب اس معاملے میں کوتاہی گوارا نہ کرنا چاہئے۔

اِدھر اُدھر سے

میر انیس کا غیر مطبوعہ کلام

انجمن اصلاح المعاشرت سادات کالونی کراچی نے اُردو کے عظیم شاعر میر انیس کے غیر مطبوعہ کلام کو ترتیب دینے اور شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں جوش ملیح آبادی پروفیسر حامد حسن قادری اور مفتی انتظام اللہ شہابی پر مشتمل ایڈیٹروں کا ایک بورڈ قائم کیا گیا ہے جو اپنی نگرانی میں اس مجموعے کی اشاعت کا بندوبست کرے گا۔

سرت چندر چٹرجی کی یادگار

بنگلہ زبان کے مشہور و معروف ناول نگار سرت چندر چٹرجی کی یادگار قائم کی جانے والی ہے اس یادگار پر جو رقم صرف ہوگی اس کا کچھ حصہ مرکزی حکومت برداشت کرے گی۔ یہ انکشاف حکومت ہند کے وزیر ثقافت اور سائنسی تحقیقات ہمایوں کبیر نے کیا۔ انھوں نے اس اعلان کے ساتھ ساتھ عوام سے بھی اپیل کی کہ وہ سرت چندر چٹرجی کی یادگار قائم کرنے کے لئے چندہ دیں۔

بیدی ایک چادر میلی سی کو فلما رہے ہیں

اردو کے مشہور ادیب راجندر سنگھ بیدی اپنے نئے اُردو ناولٹ "ایک چادر میلی سی" کے اساس پر پنجابی فلم تیار کر رہے ہیں۔ وہ اس فلم کا انگریزی ایڈیشن بھی تیار کریں گے۔ راجندر سنگھ بیدی کے اس ناولٹ کا ہندی اور پنجابی ترجمہ ہو چکا ہے۔ اب برطانیہ کے ایک ادارے سے اسکے انگریزی ترجمے کی بات چیت چل رہی ہے۔

لسانی معلومات

یونانی ہجّی

A، α	Λ، λ (ل)	Σ، s (س)
B، β (ب)	M، μ (م)	T، τ (ت)
Γ، γ (گ)	N، ν (ن)	Υ، υ
H، η	Ξ، ξ	Φ، φ (ف)
Θ، θ (تھ)	O، o	X، χ (خ)
I، ι	Π، π (پ)	Ψ، ψ
K، κ (ک)	P، ρ (ر)	Ω، ω

شروع شروع میں یونانی زبان داہنی طرف سے لکھی جاتی تھی۔ بعد میں پہلی سطر داہنی طرف سے، دوسری سطر بائیں طرف سے۔ آخر میں بائیں طرف سے ہی لکھی جانے لگی۔

(اقبال کرشن)

نیویارک میں ٹیگور چوک

نیویارک۔ ۸ر اگست۔ گرودیو ٹیگور کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے کل امریکا نے نیویارک میں اپنے سب سے اہم چوک "ٹامز اسکوائر" کا نام ایک دن کے لئے بدل کر "ٹیگور اسکوائر" رکھ دیا۔

کل ٹیگور کی موت کی بیسویں برسی تھی۔

چوک کا نام بدلنے کی تقریب میں ہندستانی قونصل مسٹر سیل رائے نیویارک کے میئر مسٹر رابرٹ ویگز، کمشنر مسٹر رابرٹ واٹ، متحدہ اقوام کے انڈر سکریٹری مسٹر چکرورتی نرسمہان، ٹیگور کمیٹی کے صدر اور سکریٹری مسٹر نارمن کزنس اور مسٹر پرملا کرجی ہندستانی ادیب مسٹر آر۔ کے نرائن اور اداکارہ مس سورہ کماری موجود تھے۔

علاقائی زبانوں میں فنون لطیفہ کی اشاعت

ایک خبر کے مطابق للت کلا اکیڈیمی کی جنرل کونسل نے یہ طے کیا ہے کہ آئندہ سال سارناتھ میں نامور مورخین اور علماء کا ایک سیمینار بلایا جائیگا جس میں ان سے گپتا دور حکومت اور اس سے قبل کے ہندستانی آرٹ پر مقالے پڑھنے کی درخواست کی جائے گی اس کے علاوہ عوام میں یادگاری مجسموں کے تعلق سے صحافتی مذاق پیدا کرنے کے خیال سے اخباروں کا تعاون حاصل کیا جائے گا کہ وہ عوام کو ان کے فنی پہلوؤں سے آگاہ کرائیں۔ میونسپل کارپوریشن اور دوسری میونسپل تنظیموں سے خواہش کی جائیگی کہ وہ پبلک مقامات پر سنگ تراشی کے اچھے اچھے نمونے کھڑے کریں اور بالواسطہ طور پر فنی موضوعات پر ہندی اور دوسری علاقائی زبان میں مضامین کی اشاعت کے لئے بلاکوں کی فراہمی پر بھی غور کیا جائے۔ اس وقت اکیڈیمی فنکاروں کے اسٹوڈیو قائم کرنے میں معروف ہے جو کہ ابتداءً دہلی میں قائم کئے جائیں گے اور بعد میں کلکتہ، مدراس، بمبئی میں ایسے اسٹوڈیو قائم کرنے کے امکانات پر بھی غور کیا جائے گا۔

سنسکرت کی ترقی کے لئے مالی امداد

بھارت سرکار نے سنہ ۱۹۶۱-۶۲ء کے دوران میں بھی سنسکرت کی ترقی کے لئے قائم کردہ اداروں، پاٹھ شالاؤں کو فنی امداد دینے کی اسکیم کو جاری رکھنے کا فیصلہ کیا ہے اس کے تحت مسلمہ اداروں کی جانب سے سنسکرت کی اشاعت و ترقی کے خاص خاص کاموں کے لئے مالی امداد کی درخواست پر غور کیا جاتا ہے اور خاص خاص صورتوں میں سنسکرت کی کتابوں کی خریداری کے لئے درخواستوں پر غور کیا جاتا ہے اور نامور مصنفین کے نادر مخطوطات وغیرہ کی اشاعت کے لئے درخواستوں پر غور کیا جاتا ہے۔

نائجیریا کا پہلا ناول

نائجیریا کے نزیکیو نے ایک ناول لکھا ہے جسکو ایک برطانوی فرم نے شائع کیا ہے۔ یہ نائجیریا کا پہلا ناول ہے "سنڈے ٹائمز" کے تبصرہ نگار نے اسے اول درجہ کا ناول قرار دیا ہے۔ مسٹر نزیکیو ایک انگریزی رسالہ "نائجیریا" کے اسسٹنٹ ایڈیٹر ہیں۔

غزل

خواجہ مسعود علی ذوقی

رہِ حیات میں گم کردہ کارواں ہوں میں
کہاں کے قصد سے نکلا تھا اور کہاں ہوں میں

یہ زندگی ہے کوئی زندگی کہ شام و سحر
تلاشِ نان و نمک میں رواں دواں ہوں میں

وہ مست ہوں کہ دو عالم کو مار کر ٹھوکر
بقیدِ ہوش ترے غم میں شادماں ہوں میں

دیا ہے میرے جگر نے رگِ چمن کو لہو
بہار جس پہ کرے ناز وہ خزاں ہوں میں

یہ ان کے غم کا تصرف ہے یا کمالِ جنوں
خود اپنی ذاتِ گرامی سے اک جہاں ہوں میں

گیا شباب، مگر سوزِ جاوداں کی قسم
بہ فیضِ عشق جوانوں سے بھی جواں ہوں میں

پتہ جو حسن سے پوچھا تو مسکرا کے کہا
"جہاں جہاں ہے محبت وہاں وہاں ہوں میں"

جنونِ رشکِ محبت کو کیا کہوں ذوقی
یہ حال ہے کہ خود اپنے سے بدگماں ہوں میں

غزل

محمد منشاء الرحمٰن خاں منشاء

چین دل کو ذرا نہیں نہ سہی
رنج کی انتہا نہیں نہ سہی

دولتِ سوزِ غم تو حاصل ہے
اور کچھ آسرا نہیں نہ سہی

اک حقیقت ہے ٹوٹنا دل کا
ٹوٹنے کی صدا نہیں نہ سہی

زندگانی کی قدر لازم ہے
لاکھ یہ دیرپا نہیں نہ سہی

تم نے پائی ہے ہر ادائے جمال
ایک خوئے وفا نہیں نہ سہی

دل کو دیتی تو ہے پیامِ حیات
وہ نظر آشنا نہیں نہ سہی

آپ مشقِ ستم کئے جائیں
جان لینا روا نہیں نہ سہی

شوق رہبر بنا تو ہے اپنا
منزلوں کا پتا نہیں نہ سہی

منشاء کرتا ہے ترجمانیٔ دل
شاعرِ خوش نوا نہیں نہ سہی

قطعہ

راشد قریشی حسن پوری

ذرا بھی جراَتِ نظارہ کام آ نہ سکی
کشاکشِ غمِ حیرت کا بار اٹھا نہ سکی
کہیں بھی آرزوئے دیدِ حسن تھی لیکن
نظر فروغِ تماشا کی تاب لا نہ سکی

خیالِ خاطر

مظہر امام

بے ادب ستاروں نے
نیند میں مخل ہو کر
تم سے کچھ کہا ہوگا
لیکن ان کی باتوں کا
تم یقین مت کرنا
آؤ، آ کے خود دیکھو
مضطرب کہاں ہوں میں!

آگہی

انور انجم

تجریدِ ماورا

گلاب کی حسین کلی،
فسون و خواب میں پلی
فضا کے سرد و گرم حادثوں سے غیر آشنا کلی
بدن چرائے لب سیئے
خموشیوں کی گود میں پڑی رہی۔

ہوا چلی،
گلاب کی حسین کلی
ہنسی اور ہنس کے کھل پڑی
وہ آنکھ، تھی جو زندگی کی عظمتوں سے بے خبر
کھلی تو اپنی وسعتوں میں آپ کھو کے رہ گئی۔

ننھی چڑیا

عادل منصوری

اک ننھی سی چڑیا دن بھر گھر میں شور مچائے
اپنا گیت سنائے
اپنے میٹھے گیتوں سے بچوں کا جی بہلائے
بچوں کے من کو بھائے
میں کھانے بیٹھوں تو میرے دسترخوان پہ آئے
کچھ دانے چگ جائے
کھڑکی کے رستے سے دن بھر گھر میں آئے جائے
چونچ میں تنکے لائے
ان تنکوں سے طاق میں اک پیڑی میں محل بنائے
اور من میں مسکائے۔
نٹ کھٹ بچے کنکر پھینکیں اور چڑیا اڑ جائے
گھر سونا ہو جائے

تین شعر

جاوید حیدر آبادی

تجھ سے کوئی گلہ ہے نہ شکوے کی بات ہے
تیرا ستم بھی میرے لئے التفات ہے

ہر حادثہ ہے رنگ نیا اک لئے ہوئے
یہ زندگی بھی کتنی حسین واردات ہے

تھا مختصر خوشی کے اجالوں کا دن مگر
کتنی طویل غم کے اندھیروں کی رات ہے

مراسلات

اُردو ٹائپ رائٹر

محترم جناب احمد الدین نظامی بدایونی صاحب نے اُردو ٹائپ کی مشکلات کا حل آفسٹ مشین میں تلاش فرمایا ہے۔ نیز اس کے رواج پر زور دیا ہے۔ مانا کہ آفسٹ مشینیں اُردو ٹائپ کی جگہ آسان ارزاں اور ٹائپ لیتھو کے بہ نسبت کار آمد ہوں گی لیکن اُردو ٹائپ پریس کی ضرورت پھر بھی باقی رہتی ہے۔ اس کی خاص وجہ کاتب صاحبان کا قحط .... اور جب کہ بہت سی زبانوں میں ٹیلی پرنٹ اور دوسری مشینیں موجود ہیں اردو کا ٹائپ پریس نہ ہونا اُردو کی ترقی میں رکاوٹ ہے۔ لہٰذا اس طرف توجہ کی ضرورت ہے۔

ایک صاحب نے ہندی ماتراؤں کے سلسلے میں مضمون لکھا تھا جس میں کہیں پر انھوں نے یہ بات تحریر فرمائی تھی کہ گاؤں گاؤں میں دوسری زبانوں کے ٹائپ رائٹر دیکھ کر اور اردو کا ٹائپ رائٹر نہ پاکر ہمارے بچے احساس کمتری کا شکار ہوں گے۔ یہی نہیں ایسی بہت سی باتیں ہیں جن کی وجہ سے ہمیں اچھے اردو ٹائپ رائٹر کے لئے جد و جہد کرنا ضروری ہے۔ اُردو پریس کا کام لیتھو، ٹائپ اور آفسٹ مشینوں سے لیا جاسکتا ہے۔ لیکن ہمارے وہ ادارے جن کا ۹۰ ٪ کام اُردو میں ہوتا ہے آخر کس طرح بغیر ٹائپ کے کام چلاتے ہوں گے۔ کسی مضمون کی چند جیبی نقلیں فوراً تیار کرنے کے لئے آخر کونسا طریقہ اختیار کیا جاتا ہوگا۔ جس کے لئے نہ صرف کافی وقت لگتا ہے بلکہ محنت اور صفائی بھی زیادہ درکار ہوتی ہے۔ میں نے اُردو ٹائپ رائٹر کے سلسلے میں کافی غور کیا ہے اور اب اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ

(۱) ہم تمام بڑے اداروں کو موجودہ دستیاب اردو ٹائپ رائٹر کے استعمال کی ترغیب دلائیں۔ اگر اُردو ٹائپ رائٹر کی مانگ اور کھپت زیادہ ہوگی تو یقیناً ٹائپ رائٹر کمپنیاں خود ہی اس کی ترقی اور سدھار کے لئے ماہرین کا تقرر کریں گی۔ کچھ اُردو ادارے اس خیال سے مشین نہیں خریدتے ہیں کہ موجودہ ٹائپ رائٹر سے ٹائپ کرنے میں دقت ہوتی ہے لیکن ایسے اداروں کو آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔ ٹائپ رائٹر خریدنے کے بعد ضرورت پر Keys اور سسٹم بھی بدلا جاسکتا ہے۔

(۲) ہندی ٹائپ رائٹر کے سسٹم سے بہت کچھ فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے مثلاً ہالڈا (Halda) مشین میں ماترائیں پہلے لگائی جاتی ہیں پھر حرف ٹائپ ہوتا ہے۔ رمنگٹن مشین میں ماترائیں Keys پر اس طرح جمائی جاتی ہیں کہ حرف ٹائپ کرنے کے بعد وہ مناسب مقام پر لگ جاتی ہیں۔ مشین حرف ٹائپ کرنے کے بعد آگے نہیں بڑھتی بلکہ ماترا ٹائپ کرنے کے بعد آگے بڑھتی ہے۔

(۳) دو حرف کو ایک ہی Key میں مشترک طور پر رکھ دیا جاتا ہے مثلاً انگریزی کا روپیوں کا نشان Rs اور ہندی میں ट اور ठ کی ماترا ै ایک ہی Key میں رکھی جاتی ہیں۔

(۴) بعض Keys میں ادھوری شکلیں رکھی جاتی ہیں لیکن دوسرے حروف سے مل کر نیا حرف بن جاتے ہیں مثلاً ایک Key میں ا اور ग و ध دو الگ Keys میں ہیں۔ ان سے गा اور धा نئے دو حرف بن گئے اس طرح تین Keys سے پانچ حروف کا کام لیا گیا ہے۔

اب مندرجہ بالا باتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے اردو ٹائپ کا نقشہ جس میں نستعلیق رسم خط میں حروف دئے گئے ہیں ملاحظہ فرمائے۔

صرف تین قطاروں میں دس دس Keys بتائی گئی ہیں۔ دوسرے نشانات اور ہندسوں کو بتانا یہاں ضروری نہیں سمجھا گیا ہے۔

ں	ث	ا	گ	/	٠	..	ۃ	ط	ص
ن	ف	ل	ک	کر	٠	-	۴	ط	ص
آ	ر	ح	ر	م	ؤ	ر	/	ے	ی
ا	ب	ج	د	م	و	س	٫	ے	ی
ـ	٭	٫	!	٠	ۂ	٫	●	ۓ	ق
	٭	٫	۹	و	ھ	غ	٠	ـ	ق

ب پ ت ٹ ث ج چ خ ذ ز ژ ض ظ غ ف ق ش وغیرہ حروف کے لئے صرف نقطے لگانے والی Keys سے لئے جائیں گے۔ ہر حرف کیلئے علٰحدہ Key کی ضرورت نہ پڑے گی۔ ٹ ڈ ڑ کے لئے ط کے ساتھ شفٹ Key میں ط کا نشان رکھا گیا ہے۔ ک کے بعد دال Key میں ک کی نصف شکل گ کر وغیرہ حروف لکھنے کے لئے اسی Key میں ترچھی لکیر گ کے مرکز کے لئے ہے۔ یہ ترچھی لکیر دوسرے موقعوں پر نشان کے طور پر استعمال میں لائی جاسکتی ہے۔ حروف ٹائپ کرنے کے بعد نقطے لگانے میں اگر وقت لگے گا تو دوسری طرف ئی ؤ ئے (ہمزہ سمیت) Keys کی بچت ہوئی ہے۔ ع اور غ دو حروف ایسے ہیں جن کے بیچ میں آنے کی وجہ سے ٹائپ میں شکل بنانا مشکل ہے اس کے لئے ع کی بنائی شکل ٹائپ میں ڈھال دی گئی ہے۔ آنہ پہ وغیرہ میں جو ہے اس کے لئے ہ ملاحظہ فرمائے لیکن ع اور غ حروف کے متعلق میں خود بھی اچھے نتیجہ پر نہیں پہنچ سکا ہوں۔

مندرجہ بالا اُردو ٹائپ رائٹر کی تجویز کے عمل درآمد میں شاید یہ اعتراض کیا جائے کہ نقطے الگ رکھنے سے وقت زیادہ لگے گا۔ اس کے لئے ہندی ٹائپ رائٹر کو بھی نظر میں رکھئے۔ ہندی الفاظ لکھے ہیں اکثر ماترائیں آتی ہیں۔ اردو کے کسی لفظ میں جتنے نقطے لگتے ہیں ہندی لفظ میں اتنی ہی ماترائیں آجاتی ہیں۔ موجودہ رمنگٹن ہندی ٹائپ رائٹر میں ان تین قطاروں میں دو دو Keys زیادہ رکھی گئی ہیں ان پر ایسے حروف رکھے گئے ہیں مثلاً ञ ङ وغیرہ جن کا استعمال بہت ضروری ہوتا ہے لیکن اردو ٹائپ رائٹر میں دس دس Keys سے کام لیا گیا ہے اور ہندی ٹائپ رائٹر کے مقابلہ اُردو ٹائپ رائٹر زیادہ سرعت سے کام کر سکے گا۔ میرا خیال ہے کہ اردو ٹائپ رائٹر کا اگر استعمال ہونے لگے تو پریس اور طباعت سے متعلق ہماری آدھی مشکلات فوراً دور ہوسکتی ہیں۔ یہ اہم مسئلہ ہے اسے ہرگز نظر انداز نہ کیا جائے۔

(منصور احمد کی۔ بلاسپور)

اُردو کے چند کوزی تجھوتیے

ڈھ اور ڑھ۔ یکم اگست ۶۱ء کے ہماری زبان میں میرا ایک مختصر مضمون 'اُردو کے چند کوزی تجھوتیے' شائع ہو رہا ہے۔ اس مضمون میں میں نے [ڈ] اور [ڑ] کو علیحدہ تجھوتیہ قرار دیا لیکن (ڈھ) اور (ڑھ) کو ہم صوت کہا۔ اس تضاد پر کچھ خلش تھی۔ میں مزید الفاظ کی ٹوہ میں رہا۔ مضمون روانہ کرنے کے دو چار روز بعد مجھے کچھ ویسے الفاظ مل گئے جن کی بناء پر اپنے سابق فیصلہ پر نظرِ ثانی کرنی پڑی۔ یعنی ڈھ اور ڑھ بھی آزاد تجھوتیے طے پائے۔ چاہا کہ اصل مضمون میں مناسب ترمیم کر دوں لیکن معلوم ہوا کہ وہ اوراق پریس میں جا چکے ہیں اس لئے اپنے مشاہدات ان سطور کے ذریعے قارئین تک پہنچا رہا ہوں۔

سوال یہ ہے کہ کسی آواز کے بارے میں یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ وہ ایک آزاد تجھوتیہ ہے کہ نہیں ہم کن کن الفاظ کو پیش نظر رکھ سکتے ہیں۔ سب سے پہلے اس سلسلے میں چند باتیں صاف کر دینا چاہتا ہوں۔

۱۔ ہمارے لئے مرکب الفاظ بھی اسی قدر مفید ہیں جس قدر سادہ الفاظ کیونکہ تجزیاتی صوتیات میں ایک زبان کا پورا صوتی نظام پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ ہاکٹ[1] نے تجھوتیوں کی مثال کے لئے lays ، beyed جیسے الفاظ بھی پیش کئے ہیں۔ بلاک اور ٹریگر[2] نے actress ، cats ، active ، Singer ، fanlless ، shotgun ، matched ، upper اور اس قبیل کے دوسرے الفاظ سے فائدہ اٹھایا ہے۔ ان سب میں تجھوتیہ یا ہم صوت لفظ کے دونوں اجزا کے نقطۂ اتصال پر ملتا ہے۔

۲۔ بعض تجھوتیے کسی مخصوص ماحول میں بہت شاذ واقع ہوتے ہیں۔ ایسے موقع پر کبھی کبھی ان الفاظ کا سہارا لینا پڑتا ہے جو تحریر و تقریر میں دکھائی نہیں پڑتے لیکن ان میں کوئی قباحت نہیں۔ ہاکٹ[3] نے تجھوتیوں کے اقلی جوڑے پیش کرتے وقت بعض ایسے ہی غیر معروف اور اجنبی الفاظ درج کئے ہیں اور ان کے بارے میں نوٹ دیا ہے کہ یہ الفاظ کسی بھی لغت میں مل سکتے ہیں۔

۳۔ کسی زبان کے بولنے والوں کے اسمائے معرفہ بھی تجھوتیے کے جائزہ میں نظرانداز نہیں کئے جا سکتے۔ ہاکٹ نے تو بعض مسخ شدہ اسمائے معرفہ (مثلاً Zane ، Moses) تک کو مثال میں پیش کیا ہے۔

اگر ان اصولوں کو مان لیا جائے (اور ہم ماننے پر مجبور ہیں) تو ڈھ اور ڑھ قطعی طور پر علیحدہ تجھوتیے قرار پاتے ہیں۔

ڈھال۔ ڈھ بھیڑ۔ مشہور الفاظ ہیں۔ ان کے علاوہ نور اللغات میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں۔

ڈھرا/ڈھری۔ ایک قسم کی خوشبودار گھاس۔

کڈھب۔ یعنی بے ڈھب۔

ڈھڈھ۔ پرندوں کی دُم کے پر نکلنے کی جگہ۔

ڈھ۔ بسمہ غنہ

فیروز اللغات میں ان سب الفاظ کے علاوہ ذیل کے دو الفاظ اور دکھائی دئے۔

سڈھور یا سڈھورا۔ وہ ساتی قسم کا پکوان جو دلہن کے میکے سے آتا ہے۔

کڈھیلڑ۔ سوتیلا بیٹا۔

کھڑی بولی کے علاقے میں ان الفاظ میں سے کڈھب۔ ڈھ اور کڈھیلڑ کسی نہ کسی حد تک بولے اور سمجھے جاتے ہیں۔ کڈھیلڑ قدرے دیہاتی لفظ ہے اور مرد کے سوتیلے بیٹے کے لئے مخصوص ہے۔

اسی نواح میں بعض لوگوں کا نام 'کڈھیرا' سننے میں آتا ہے۔ ہندوؤں میں ایک فرقے کا نام 'وڈھیرا' بھی ہوتا ہے مثلاً پرکاش وڈھیرا نے نواز۔

جو الفاظ ہمارے مستند لغات میں شامل ہیں وہ ہزار خفیف الاستعمال ہوں ہم ان کے وجود سے انکار نہیں کر سکتے اب ذیل کے الفاظ پیش نظر رکھ کر ڈھ اور ڑھ کا وقوع دیکھے۔

ڈھیل۔ مینڈھا۔ لنڈھانا۔ بڈھا۔ نڈھال۔ ڈھ بھیڑ۔

ڈھونڈھ۔ ڈھ۔ سیڑھی۔ بڑھیا۔ چڑھنا۔ پڑھ۔

	ابتدا	وسط میں				آخر میں	
		[illegible]	[illegible]	[illegible]	مصوتے اور مصمتے کے بیچ	[illegible]	[illegible]
ڈھ	✓	✓	✓	✓	✓	✓	✓
ڑھ	×	×	[illegible]	✓	✓	×	✓

اس طرح /ڈھ/ اور /ڑھ/ تکملی تقارے میں نہیں۔ یعنی اُردو میں یہ دونوں آوازیں آزاد تجھوتیے ہیں۔ (گیان چند)

---

[1] اے کورس ان موڈرن لنگوسٹکس ص ۲۰ تا ۲۳۔

[2] آؤٹ لائن آف لنگوسٹک اینالیسس ص ۲۲-۲۳-۴۰-۴۸۔

[3] کورس ص ۱۹۔

انجمن کا خبر نامہ

اُردو آئین کے تحت تسلیم شدہ زبان ہے اس کو فروغ دینا حکومت کا فرض ہے

لکھنؤ۔ ۳ر اگست۔ اتر پردیش ودھان سبھا میں وزیر اعلیٰ شری نرائن دت تیواری نے ریاستی حکومت کی جانب سے اُردو کے تحفظ کے لئے بنائی گئی لسانی کمیشن سے متعلق بحث کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ حکومت ہر زبان کو پروان چڑھنے کا موقع دینا چاہتی ہے۔ اردو بھی ہمارے آئین کی تسلیم شدہ زبان ہے اس لئے اس کی ترقی کے راستے میں آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنا حکومت کا فرض ہے اور انھیں دقتوں کو حل کرنے کے لئے کمیشن کی تشکیل کی گئی ہے۔

انھوں نے کہا اردو ایک مشترکہ زبان ہے اور دیگر زبانوں کی ترقی سے ہندی کو نقصان نہیں ہوگا۔ انھوں نے کہا کہ ہندی اور اردو کو ہندو اور مسلمان کے ساتھ جوڑنا غلط ہے زبان اور مذہب کو ایک دوسرے سے علٰحدہ رکھا جانا چاہئے۔ انھوں نے مخالف ممبروں کی اس نکتہ چینی کو غلط قرار دیا کہ حکومت نے اگلے عام چناؤ میں مسلمانوں کے ووٹ حاصل کرنے کے لئے یہ کمیشن بنائی ہے۔

شری راج نرائن سنگھ (سوشلسٹ) نے بھاشا کے سوال کو دھرم اور مذہب کے جذبے سے بلند ہو کر غور کرنے پر زور دیا پرجا سوشلسٹ پارٹی کے لیڈر مسٹر ترلوکی سنگھ نے اس امر پر شبہ کا اظہار کیا کہ حکومت اس کمیشن کی سفارشوں کو نافذ کرے گی۔ سوتنتر پارٹی کے لیڈر شری کرشن دت پالیوال نے کہا کہ ہندی کے مفاد کے لئے یہ ضروری ہے کہ دیگر علاقائی زبانوں کو فروغ کا پورا پورا موقع دیا جائے۔ آپ نے کہا کہ یہ غلط ہے کہ اُردو مسلمانوں کی زبان ہے۔ اگر یہ درست ہے تو مشرقی پاکستان والے بنگلہ کی مانگ کیوں کرتے ہیں؟

کمیونسٹ پارٹی کے لیڈر شری جھارکھنڈے رائے نے کہا کہ اقلیتوں کو ان کی زبان میں ابتدائی تعلیم دینے کا انتظام ہونا چاہئے۔

جن سنگھ کے لیڈر مسٹر یادویندر دت دوبے نے اردو کی مخالفت کی اور کہا کہ جس اُردو زبان کی وجہ سے پاکستان کی تشکیل ہوئی آج اسی زبان کو فروغ دے کر حکومت نئے پاکستان کی بنیاد رکھ رہی ہے انھوں نے اردو کو فروغ دینے کی پالیسی کو ملک کے لئے خطرناک قرار دیا۔

نائب وزیر شری نول کشور نے وارننگ دی کہ بھاشا کے نام پر جو لوگ فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کی کوشش کریں گے ان کے خلاف کڑی کارروائی کی جائے گی۔

آندھرا پردیش میں اُردو کے موقف کی وضاحت کی ضرورت

آندھرا پردیش قانون ساز کونسل میں گورنر کے خطبہ پر بحث کے دوران میں پروفیسر ہارون خاں شروانی نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اب تلگو زبان بتدریج ریاست میں انگریزی کی جگہ لے رہی ہے، اس کا ہم سب خیر مقدم کرتے ہیں لیکن اس بات کی ضرورت ہے کہ حکومت آندھرا پردیش اعلان کرے کہ ریاستی نظم و نسق، خط و کتابت، ملازمتوں اور تعلیم کے میدان میں آئندہ اُردو کا کیا موقف ہوگا۔ پروفیسر شروانی نے کہا کہ اردو کا مستقبل آندھرا پردیش کے مستقبل کے ساتھ وابستہ ہے ہمارے چیف منسٹر اور وزراء کابینہ کو اُردو کے ساتھ خاص تعلق خاطر ہے اور ہمارے بعض وزراء نہ صرف معمولی طور پر بلکہ بعض تو روانی کے ساتھ اُردو میں تقریر کرتے ہیں۔ انھوں نے گورنر کے خطبے میں اردو اور تلگو پڑھے جانے کا بھی خیر مقدم کیا اور کہا کہ جہاں تلگو اور انگریزی میں گورنر کا خطبہ تقسیم کیا گیا وہاں اُردو میں بھی تقسیم کیا جانا چاہئے، کیونکہ اردو آندھرا پردیش کی اہم زبان ہے۔ انھوں نے کہا کہ گورنر کے خطبہ کے تیسرے پیراگراف میں جس کا تعلق سرکاری زبان سے ہے اُردو کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ جہاں نظم و نسق کی زبان تلگو کا ذکر کیا گیا وہاں آندھرا پردیش میں اردو کے موقف کو بھی ظاہر کر دیا جاتا۔ انھوں نے حکومت پر زور دیا کہ وہ اُردو کے موقف کی ایک سرکاری اعلان کے ذریعہ وضاحت کرے اگرچہ حکومت نے اُردو کو ریاست کی دوسری زبان تسلیم کیا ہے جس پر وہ قابل مبارک باد ہے لیکن جب تک اس کا سرکاری طور پر اعلان نہ کیا جائے اسے سرکاری حیثیت نہیں مل سکتی۔

آندھرا پردیش میں اُردو کا مستقبل

آندھرا پردیش اسمبلی کے دو ارکان مسٹر ایم باگا ریڈی اور اپا راؤ نے تجویز کیا ہے کہ اضلاع تلنگانہ میں تلگی کو مراسلت کی زبان بنانے سے متعلق حالیہ اعلان کی وجہ سے پیدا شدہ بے چینی اور تشویش کو دور کرنے اور ریاست میں اُردو کے مستقبل کا تعین کرنے کے لئے حکومت کی جانب سے اُردو تنظیموں کے نمائندوں متعلقہ عہدیداروں اور اُردو سے دلچسپی رکھنے والے ارکان اسمبلی کا ایک مشترکہ جلسہ طلب کیا جائے۔ مسٹر باگا ریڈی اور اپا راؤ نے اپنے صحافتی بیان میں کہا ہے کہ تلگی کو سرکاری زبان بنانے کے سلسلے میں حکومت کے بعض حالیہ اقدامات کی وجہ سے تلنگانہ کے دفاتر میں کام کرنے والے اُردو داں ملازمین اور لاکھوں اُردو بولنے والوں میں تشویش اور اندیشوں کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ اس لئے ایک مشترکہ جلسہ کا انعقاد ضروری ہے۔ ان قائدین نے کہا ہے کہ تلنگانہ میں یہ سہا برس سے اُردو اور تلگی نظم و نسق کے لئے اور زندگی کے ہر شعبہ میں رائج ہے۔ تلنگانہ کے لسانی ڈھانچہ کے اعتبار سے بھی اُردو کو مستقبل میں تلگی کے ساتھ ساتھ دفاتر میں برقرار رکھا جانا چاہئے۔ ان ارکان اسمبلی نے اردو بولنے والوں کو دئے گئے تحفظات اور ضمانتوں پر مؤثر عمل آوری اور ان کی شکایات اور مطالبات کی یکسوئی کے لئے ریاستی سطح پر ایک مشاورتی کمیٹی کے قیام کو ناگزیر قرار دیا۔

انجمن ترقی اُردو لکھنؤ کا جلسۂ انتخاب

انجمن ترقی اردو لکھنؤ کا جلسۂ انتخاب سید علی عباس حسینی صاحب کی صدارت میں ممتاز ہائر سکنڈری اسکول میں ہوا۔ جنرل سکریٹری ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ ۱۰ر جنوری ۷۰ء کو جدید انتخاب عمل میں آیا تھا۔ انتخاب کے بعد ادبی و تنظیمی ہفتہ مع یوم غالب، یوم چکبست اور یوم آزاد ۱۴ر فروری ۷۰ء سے ۲۳ر فروری ۷۰ء تک منایا گیا۔ شہر کے مختلف حلقوں اور محلوں میں جلسے کئے گئے جن میں حسب ذیل مقامات قابلِ ذکر ہیں۔

گنگا پرشاد میموریل ہال امین آباد۔ ۳ جلسے، وزیر گنج ۲ جلسے، نخاس، کشمیری محلہ، شیش محل، حیدر گنج، بجدلیاں، مہدی گنج، باغ قاضی، ڈالی گنج، نشاط گنج، حسین گنج، صدر، مرلی نگر، مچھلی محال، بشیرت گنج، گنّے والی گلی۔

لکھنؤ کے مضافات میں بھی جلسے کئے گئے۔ کاکوری، ملیح آباد، امیٹھی وغیرہ۔ ان تمام جلسوں میں، بیسک اسکولوں میں داخلے پر زور، مادری زبان کی اہمیت، مردم شماری میں اپنی مادری زبان اُردو لکھانے کے لئے باقاعدہ جدوجہد کی گئی، ان تمام حلقوں میں حلقہ کمیٹیاں قائم کر دی گئیں، جنھوں نے مردم شماری مہم میں نمایاں کام کیا۔ ان کے علاوہ شہر کی دوسری ادبی اور سماجی انجمنوں نے بھی انجمن ترقی اُردو سے تعاون کیا۔ مئی ۷۱ء میں بیسک اسکولوں میں اُردو تعلیم کا جائزہ لیا گیا، یہ امر قابلِ افسوس ہے کہ لکھنؤ کے اسکولوں میں اُردو تعلیم سے زیادہ سے زیادہ ۲۵ فیصدی ہے ۷۵ فی صدی سے زیادہ طلبہ اردو تعلیم سے محروم ہیں۔

جنوری ۷۰ء سے جون ۷۱ء تک مجلس عاملہ کے ۲۶، دستوری کمیٹی کے ۷، اور سب کمیٹیوں کے ۹ جلسے ہوئے۔ انجمن کے پاس جنوری ۷۰ء میں نہ تو کوئی پیسہ تھا اور نہ لٹریچر، نہ دستور، اس کی طرف توجہ کی گئی، سرمایہ فراہم کرکے جلسے کئے گئے، دستور کی تشکیل و تکمیل ہوئی، 'یوم اُردو' ہولی میں وعید میں، یوم غالب، چکبست و آزاد، داخلہ مہم، مردم شماری مہم کے موقعوں پر اسی ہزار کے قریب اشتہارات، ایک ہزار پوسٹر شائع ہوئے۔ ان کے علاوہ 'اردو فلیگ' بھی دس ہزار کے قریب تقسیم کئے گئے۔ ان سے پچیس روپے کے قریب آمدنی بھی ہوئی۔ کل آمدنی ۷۲۱-۹۳، اور خرچ ۶۵۲-۸۸ ہوا۔ تحویل ۶۹-۰۵ ہے۔ مجلس عاملہ کے جلسوں میں ممبران کی شرکت اوسطاً ۵۴ فی صدی رہی، بعض عہدیداران و ممبران کسی ایک جلسے میں بھی تشریف نہیں لائے جس کی وجہ سے انجمن کے کاموں میں نظم و استحکام نہ پیدا ہو سکا۔ میری یہ قطعی رائے ہے کہ انجمن کے ذمہ داروں میں ایسے حضرات کا انتخاب ہونا چاہئے جو تھوڑا بہت وقت اردو کے لئے وقف کر سکیں کیونکہ وقت کے تقاضوں اور کام کی اہمیت کے اعتبار سے انجمن کو زیادہ سے زیادہ فعال، پرجوش و باہوش ہونا چاہئے۔

انجمن کے پاس کوئی دفتر نہیں، ممبروں کی تعداد بھی بہت کم ہے، یہاں ہزاروں کی تعداد میں ممبر بن سکتے ہیں۔ ادبی و سماجی سرگرمیوں کی طرف توجہ دینا ضروری ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ نئی مجلس عاملہ اس طرف خصوصی توجہ فرمائے گی۔

افسوس ہے کہ انجمن اپنے دو مخلص و سرگرم ممبران سے محروم ہو گئی۔ دسمبر ۷۰ء میں ڈپٹی عبدالمجید مرحوم اور جون ۷۱ء میں چودھری نفیس احمد مرحوم کا انتقال ہو گیا۔ یہ دونوں حضرات اُردو کے شیدائیوں میں سے تھے اور عملی طور پر ہر کام میں حصہ لیتے تھے۔ ان کی موت سے انجمن کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا۔

آخر میں، میں اُن سب حضرات کا شکر گزار ہوں جو اُردو کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے رہتے ہیں۔ رپورٹ کے بعد حسب ذیل انتخاب متفقہ طور پر عمل میں آیا۔

صدر: ہیرالال ورما ایڈوکیٹ۔

نائب صدر: سید علی عباس حسینی و محمد حسین خاں عرشی۔

جنرل سکریٹری: ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی۔

جوائنٹ سکریٹری: سید فدا حسین۔ عارف فتحپوری۔ احمد جمال پاشا۔

ممبران: (۱) سید احتشام حسین۔ (۲) سید مسعود حسن رضوی ادیب۔ (۳) حیات اللہ انصاری۔ (۴) سلطانہ حیات۔ (۵) محمد یونس خالدی۔ (۶) امین سلونوی۔ (۷) امیر حسن نورانی۔ (۸) ڈاکٹر انوار الحسن۔ (۹) سوم ناتھ سوم۔ (۱۰) محمد جعفر مرزا۔ (۱۱) الطاف حسین قزلباش۔ (۱۲) ڈی۔ پی سکسینہ۔ (۱۳) وحید الرحمٰن عرفان۔ (۱۴) مسعود علی خاں۔ (۱۵) خضر زبیری۔ (۱۶) منظر سلیم۔ (۱۷) سردار سنت سنگھ۔ (۱۸) گیانی مہندر سنگھ۔ (۱۹) زیبا صلاح الدین۔ (۲۰) چھیدی لال ساقی (۲۱) عبدالہادی صدیقی۔

حسب ذیل حضرات کا انتخاب انجمن ترقی اردو اتر پردیش کے لئے نمائندوں کی حیثیت سے ہوا۔

پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب، سید احتشام حسین۔ حیات اللہ انصاری۔ سلطانہ حیات۔ ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی، سید علی عباس حسینی۔ امین سلونوی۔ سردار سنت سنگھ۔ نواب افسر حسین۔ وحید الرحمٰن عرفان، سید فدا حسین،

(سکریٹری)

ضروری گزارش

براہ مہربانی انجمن سے متعلق جملہ خط کتابت اور ارسال زر
"جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ کے پتے پر فرمایئے
بعض خطوں پر منصب کی بجائے نام لکھا ہوتا ہے ایسے خطوں کی تعمیل میں مختلف وجوہ سے دیر ہو جاتی ہے۔ جس کے نام خط لکھا گیا ہے اگر وہ کارکن چھٹی پر ہو، بیمار ہو، دورے میں ہو یا عدم موجودگی کی کوئی اور صورت ہو تو وہ ڈاک کھلتی نہیں اور اہم خطوط کا جواب بروقت نہیں دیا جا سکتا
اس لئے سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ آپ ہمیشہ اپنے خط
"جنرل سکریٹری انجمن ترقی اُردو ہند علی گڑھ یو-پی" کے پتے پر بھیجئے۔ شکریہ

معاصرین

اُردو کا سوالنامہ

جن سنگھ کی بے چینی کو ہم سمجھتے ہیں بے چینی سی بے چینی! صرف لکھنؤ ہی میں ہیضے سے تین سو سے اوپر آدمی مر گئے اور دوسرے مقاموں کے اعداد و شمار ابھی ملے نہیں ہیں۔ وہ مجموعی طور پر یقیناً اس سے زائد ہوں گے۔ لیکن اس کے باوجود جن سنگھ کے ڈپٹی لیڈر کا کہنا ہے کہ ہیضہ بُرا ہے اور بہت بُرا ہے، لیکن اُردو کا ہیضہ اس ہیضے سے بھی بڑھ چڑھ کر ہے۔ کوئی حد ہے اُردو سے نفرت کی۔

جن سنگھ کی طرف سے اُردو سے نفرت کا اظہار تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ لیکن اس وقت یہ اظہار خاص بلاغت کے ساتھ ہوا ہے۔ اس کی ایک خاص وجہ ہے وہ یہ ہے کہ اُردو کمیٹی کے ناموں کا اعلان ہوا، اس نے کام بھی شروع کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود ہندی کے اخباروں کی طرف سے کمیٹی کی کوئی مخالفت نہیں ہوئی۔ مخالفت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہندی کے بڑے سے بڑے پریمی کمیٹی کے اندر موجود ہیں۔ ایسے پریمی جن کی بھاری بھاری خدمتیں ہیں۔ مجموعی طور پر ان حضرات کا وزن بہت ہو جاتا ہے۔ ان کی موجودگی میں اگر کوئی ہندی اخبار یہ صدا لگائے کہ "ہندی خطرے میں ہے" تو لوگ اُن کی نیت میں شک کرنے لگتے اور کہتے کہ "ماں سے زیادہ جو چاہے وہ ڈائن"۔

جن سنگھ کو یہ خطرہ ہے اور بجا خطرہ ہے کہ حکومت نے اُردو کو اپنے اعلانیہ ۶۶ء کے ذریعہ جو جو حقوق دئے تھے اب تک وہ جس حد تک ملی تھے اس سے بہت آگے بڑھ جائیں گے، کیونکہ مذکورہ کمیٹی جو جو سفارشیں متفق طور پر کرے گی اُس کا اثر ضرور پڑے گا۔ حکومت پر بھی پڑے گا، سرکاری افسروں پر بھی پڑے گا اور عوام پر بھی پڑے گا۔ مذکورہ کمیٹی کی ساخت ہی اس بات کا اعلان کرتی ہے کہ اب ہندی کے سرکاری زبان قرار پا جانے کے بعد، اردو اور ہندی میں کوئی ٹکر نہیں رہی ہے، اور ہندی کے پریمی بھی یہ چاہتے ہیں کہ اُردو کسی نہ کسی حد تک ضرور ترقی کرے۔

قومی آواز میں سوالنامہ شائع ہو گیا۔ اتر پردیش میں آنے والے معاصروں کو لسانی کمیٹی سے اشتراک عمل کرنا چاہئے اور اس سوالنامہ کو مکمل طور پر شائع کرنا چاہئے اس طرح وہ اُردو کے مسئلہ کو حل کرنے میں اردو دوستوں کا ہاتھ بٹائیں گے۔

جو حضرات اردو کے سلسلے میں کچھ کہنا چاہتے ہیں ان کو چاہئے کہ سکریٹری لسانی کمیٹی حکومت اتر پردیش ودھان سبھا مارگ، لکھنؤ کے نام پوسٹ کارڈ لکھ کر سوالنامہ منگوا لیں اور مقررہ وقت کے اندر اندر اسے بھر کر بھیج دیں۔

سوالنامے میں آپ کو ہر متعلق بات لکھنے کا حق ہے لیکن وزنی بات وہی ہوگی جو ثبوت کے ساتھ کہی جائے اور ثبوت بھی ایسا ہو کہ تازہ ہو۔ سال دو سال پرانی بات کی کوئی خاص قیمت نہیں ہوگی۔ (قومی آواز)

بقیہ

تاریخ فیروز شاہی اور سرسید کا دیباچہ

۱۔ غیاث الدین بلبن	۵۔ قطب الدین مبارک شاہ
۲۔ معزالدین کیقباد	۶۔ غیاث الدین تغلق شاہ
۳۔ جلال الدین فیروز خلجی	۷۔ سلطان محمد تغلق شاہ
۴۔ علاء الدین خلجی	۸۔ سلطان فیروز شاہ

واقعی یہ کتاب نہایت عمدہ اور بہت معتبر ہے اکثر حالات اس میں خود مصنف کے دیکھے ہوئے مندرج ہیں اور باقی حالات وہ ہیں جو مصنف نے اپنے بزرگوں سے سُنے اور انھوں نے بچشم خود دیکھے تھے۔

جو لوگ کہ کتب تواریخ کی سیر کرتے ہیں ان کو معلوم ہوگا کہ ممالک ایشیا کی تواریخ میں بہت بڑا عیب یہ ہے کہ بادشاہوں کی بیجا تعریف اور خوشامد سے بھری ہیں مگر اس تاریخ کی بہت بڑی عمدگی یہ ہے کہ اس کے مصنف نے جس بادشاہ کا حال لکھا ہے اور جہاں اس کی خوبیاں اور بھلائیاں مذکور کی ہیں وہیں جو جو عیب اور برائیاں اس بادشاہ میں یا اس کی سلطنت میں تھیں وہ بھی بیان کی ہیں۔ اکثر جگہ تدبیر ملک داری جو ان بادشاہوں کے مدنظر تھیں وہ بھی مذکور کی ہیں اور اس باب میں کوئی تاریخ ان ملکوں کی اس کی ہمسری نہیں کر سکتی۔

میں یہ نہیں کہتا کہ سلطان فیروز شاہ کا حال بھی اس مصنف نے ایسا ہی لکھا ہے کیونکہ میں اس کے حال میں اس طریقہ کو گھٹا ہوا پاتا ہوں۔ سچ ہے کہ کسی بادشاہ کی تاریخ اسی بادشاہ کے عہد میں بغیر طرف داری کے لکھنی نہایت مشکل ہے۔

اس مصنف نے ارادہ کیا تھا کہ سلطان فیروز شاہ کا حال ایک سو ایک مقدمہ یعنی ایک سو ایک باب میں لکھے مگر اس نے صرف سال ششم جلوس فیروز شاہ تک کا حال گیارہ مقدموں میں لکھا ہے اور باقی مقدموں کے لکھنے کا وعدہ کیا تھا مگر پھر اس مصنف نے نہیں لکھے مگر شمس سراج عفیف نے اوائل نویں صدی ہجری مطابق سولھویں صدی عیسوی میں ایک تاریخ بنام تاریخ فیروز شاہی شمس سراج عفیف لکھی۔ اس کتاب کو اس نے پانچ حصوں پر تقسیم کیا اور ہر حصہ کو اٹھارہ مقدموں پر کہ مجموع ان کے نوّے (۹۰) مقدمہ ہوئے گویا اس مصنف نے ضیاء برنی کے ارادہ کو پورا کیا ہے۔ اس کتاب میں ابتدائے ولادت فیروز شاہ سے اس کے آخر عہد تک کا حال مندرج ہے۔ یہ دونوں کتابیں تاریخ فیروز شاہی کے نام سے مشہور ہیں مگر پہلی ضیاء برنی کی کہلاتی ہے اور دوسری شمس سراج عفیف کی۔

علاوہ ان کے ایک اور کتاب از نام فتوحات فیروز شاہی مشہور ہے۔ اس کتاب کو خود فیروز شاہ نے لکھا ہے۔ یہ بہت چھوٹی کتاب ہے اور اس میں صرف حال امور رفاہ عام اور بیان قواعد جدیدہ کا جو اس بادشاہ نے اپنے عہد میں جاری کئے مندرج ہے۔ یہ تمام کتاب مسجد جامع فیروز شاہی واقع دہلی کے برجوں پر کندہ تھی مگر اب وہ مسجد اور اس کی برج سب ٹوٹ گئی ہیں اور کوئی پتھر کندہ کیا ہوا دستیاب نہیں ہوتا۔

تاریخ فیروز شاہی ضیاء برنی بہت کمیاب کتاب ہے، بہت تلاش اور تجسس سے مجھ کو ایک نسخہ بہم پہنچا تھا اس کے مقابلہ اور صحت میں مجھ کو بہت دقت اٹھانی پڑی، ایک ناقص نسخہ کتب خانہ شاہ دہلی سے مجھے میسر ہوا تھا اور ایک نسخہ جو مسٹر ایلیٹ صاحب بہادر نے بہم پہنچایا تھا وہ میں نے لیا اور ایک نسخہ مسٹر اڈورڈ طامس صاحب بہادر کے پاس تھا وہ بھی میں نے لیا اور ایک نسخہ بنارس سے ہاتھ آیا ان چار نسخوں سے میں نے اپنی کتاب کا مقابلہ کیا اور جہاں تک ممکن تھا اس کے صحیح کرنے پر کوشش کی۔ اب جاری ایشیاٹک سوسائٹی نے اس نایاب کتاب اور عمدہ کتاب کا چھاپنا چاہا اور میری کتاب اور میری صحت اور مقابلہ سے یہ کتاب چھپی۔ اس دفعہ میں نے زیادہ تر اس کتاب کی صحت پر توجہ کی اور جہاں تک ممکن تھا اس کے صحیح کرنے میں دریغ نہیں کیا۔

مناسب ہے کہ اس مقام پر کچھ مختصر حال اس کتاب کے مصنف کا بھی لکھوں۔ واضح ہو کہ نام اس کتاب کے مصنف کا ضیاء الدین ہے اور قصبہ برن جو اب بلند شہر کے نام سے مشہور ہے اس کا مسکن ہے۔ آدمی ذی علم تھا اور تاریخ سے بہت شوق رکھتا تھا اور بہت سی پرلطف نقلیں اور حکایتیں اس کو یاد تھیں شعر سے بھی بہت شوق تھا اور امیر خسرو اور میر حسن سے بہت صحبت اور ملاقات تھی اس کا باپ اور دادا سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں صاحب خدمت تھے۔ اسی بادشاہ کے عہد میں اس کا نانا حسام الدین سپہ سالار تھا اور سلطان علاء الدین کے عہد میں اس کا چچا ملک علاء الدین دہلی کا کوتوال اور بادشاہ کا بہت مقرب تھا۔ اس مصنف کو بھی سلطان محمد تغلق کے دربار میں بہت تقرب حاصل تھا مگر اس کے بعد پھر کوئی خدمت اس مصنف کو ہاتھ نہیں آئی۔

[illegible]

معلوم ہوتا ہے کہ اس مصنف نے یہ تاریخ اس ارادے سے لکھی تھی کہ اس کے ذریعہ سے سلطان فیروز شاہ کے دربار میں تقرب حاصل کرے مگر یہ امید اس کی بر نہیں آئی اور اس نے خانہ نشینی اختیار کی اور غیاث پور میں جہاں اب درگاہ حضرت نظام الدین کی متصل دہلی کے ہے رہنا اختیار کیا اور وہیں مر گیا اور متصل درگاہ حضرت موصوف کے دفن ہوا۔ سال وفات اس کا معلوم نہیں۔ کہتے ہیں کہ جب یہ مصنف مرا تو ایسے تنگ حال میں تھا کہ اس کے جنازہ پر بجز بوریے کے اور کچھ نہ تھا مگر یہ عمدہ کتاب اس کی یادگار باقی ہے۔

{دیباچہ ماخوذ از اخبار سائنٹفک سوسائٹی
مورخہ ۲۴ر اگست ۱۸۶۲ء صفحہ ۳۲۷-۳۲۶}

تبصرے

خلیل الرحمن اعظمی

مجلس مولوی عبدالحق نمبر

مرتبہ:۔ محمد منظور احمد
ناشر:۔ اُردو مجلس۔ حیدرآباد (آندھرا)
قیمت:۔ تین روپے

بابائے اُردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق کی خدمات کے اعتراف میں ۲۹ر مئی ۱۹۶۰ء کو اُردو مجلس حیدرآباد نے مولوی صاحب کی ۹۰ ویں سال گرہ منائی۔ اس موقع پر اُردو کے بعض اہم ادیبوں اور تعلیم کے ماہروں نے تقریریں کیں اور مولوی صاحب کی شخصیت اور ان کے کارناموں سے متعلق مقالات پڑھے۔ ان تقریروں اور مقالوں کو چند نئے مضامین کے اضافے کے ساتھ اُردو مجلس کے رسالے "مجلس" نے اپنا عبدالحق نمبر شائع کیا ہے۔ ان مضامین اور تقریروں میں تاثرات پیش کئے گئے ہیں۔ لکھنے والوں میں سجاد مرزا، ڈاکٹر غلام یزدانی، پروفیسر ہارون خاں شروانی، پنڈت دتاتریہ کیفی، دھرم دیال السکار، ڈاکٹر محی الدین قادری زور، پروفیسر عبدالقادر سروری، حکیم اسرار احمد، ڈاکٹر رحیم الدین کمال، مبارز الدین رفعت، نصیر الدین ہاشمی، وزیر حسن دہلوی، سہیل عظیم آبادی، جگن ناتھ آزاد اور بعض دوسرے حضرات ہیں۔ یہ وہ حضرات ہیں جنھوں نے مولوی صاحب کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ اور ان کے مزاج اور شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا مشاہدہ کیا ہے اس لئے ان مضامین میں نہ صرف یہ کہ خلوص اور محبت کا رنگ ہے بلکہ یہ ایک طرح سے دستاویزی اہمیت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر زور کے مضمون میں البتہ کچھ سخن گسترانہ انداز ملتا ہے جس کی نوعیت سیاسی معلوم ہوتی ہے۔ اس نمبر میں مولوی صاحب کے ادبی و تحقیقی کارناموں پر بہت کم مضامین ہیں۔ "چند ہم عصر" پر اسلوب احمد انصاری کے مضمون کے بعد خلیق انجم کے مضمون کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ اسی طرح مولوی صاحب کے اسلوب پر نثار احمد فاروقی کے تفصیلی تجزیے کے بعد بلقیس شوکت کے سرسری مضمون کی شمولیت بے معنی نظر آتی ہے۔ کچھ مضامین ایسے ہیں، جن کے عنوانات اہم ہیں مثلاً "ڈاکٹر عبدالحق اور اردو کلمنیات" (نصیر الدین ہاشمی) عبدالحق کے تنقیدی تصورات (سیدہ جعفر) اُردوئے قدیم اور بابائے اُردو (خواجہ حمید الدین شاہد) لیکن ان مضامین کو پڑھنے کے بعد بڑی مایوسی ہوتی ہے۔ اتنے اہم موضوعات پر ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو صفحے کے ہلکے پھلکے اور سرسری مضامین جو طلبہ کے مقالات سے زیادہ اپنے اندر وزن نہیں رکھتے کسی طرح اس اہم شخصیت کے شایان شان نہیں۔ ضرورت ہے کہ مولوی صاحب کے علمی و تحقیقی کارناموں اور ان کی مختلف النوع کتابوں کا تفصیلی جائزہ لیا جائے اور واقف کار حضرات ان پر قلم اُٹھائیں۔ مولوی عبدالحق سرسید کے بعد اُردو زبان کی اہم اور جامع حیثیات اور بقول ایک صاحب کے "مسائل شخصیت" ہیں۔ ان پر محض فرمائشی چیزیں لکھنے سے کام نہیں چلے گا۔ اور گہرائی میں جانے کی ضرورت ہے۔

مجموعی طور پر یہ نمبر مولوی صاحب کی زندگی اور انکی شخصیت کو سمجھنے میں بہت مدد دیتا ہے اور اس کا تاثراتی حصہ یقیناً یادگار رہے گا۔ آخر میں بعض اہم حضرات کے پیغامات اور چند شعرا کی نظمیں شائع کی گئی ہیں۔ افسوس ہے کہ اس حصے کی بیشتر چیزیں محض رسمی ہیں اور ہر جگہ تکلف اور تصنع نمایاں ہے۔ مولوی صاحب کے کچھ خطوط بھی حاصل کر کے شائع کئے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں اگر کچھ اور کاوش کی جاتی تو اچھا تھا۔

جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات (جلد دوم حصہ دوم)

مرتب:۔ اسرار احمد آزاد
ناشر:۔ مکتبہ برہان دہلی
قیمت:۔ پانچ روپے آٹھ آنے

جناب اسرار احمد آزاد کی اس تالیف کی پہلی جلد پر تبصرہ کرتے ہوئے ہم نے اسے سیاسی انسائیکلوپیڈیا کہا تھا جس میں بین الاقوامی سیاست سے متعلق ہر طرح کی اصطلاحات، افراد، اداروں، تحریکات، نظریات، اجتماعات اور ہر طرح کے واقعات سے متعلق ضروری اور مفید مواد جمع کیا گیا ہے۔ اس سلسلے کی دوسری جلد کا دوسرا حصہ (یعنی تیسری جلد) پیش نظر ہے۔ مرتب نے یہ کام بہت سلیقے سے کیا ہے۔ اردو زبان پر ایک طرف اس وقت جاسوسی اور رومانی ادب چھاپہ مار رہا ہے تو دوسری طرف ایسے اللہ کے بندے بھی ہیں جو خاموشی کے ساتھ سنجیدہ کام کر رہے ہیں اور ایسی کتابیں تیار کر رہے ہیں جن سے اس زبان کی آمد سلامت ہے۔ مرتب اور ناشر اس طرح کی کتابوں کی اشاعت کے لئے قابل مبارکباد ہیں۔

پبلشر نذیر حسن، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا۔